ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

امت اللطیف
سکالر پی ایچ ڈی اردو، انٹر نیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر حمیرا اشفاق
اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف اُردو، انٹر نیشنل اسلامک یونی ورسٹی، اسلام آباد

منشا یاد کے منتخب افسانوں کا موضوعاتی مطالعہ

Amtul Latif
Ph.D Scholar (Urdu), International Islamic University, Islamabad
Dr. Humaira Ishafaq
Assistant Professor, Department of Urdu International Islamic University, Islamabad

Thematic study of selected short stories of Mansha Yad

Mansha Yad is a reliable reference in modern Urdu fiction. Their stories speak volumes about the development of thought and art. Such unique, untouched, thought-provoking and immersive stories of human dignity not only distinguish it from its contemporaries, but also give it a high place in the whole context of Urdu fiction. He has forged a new path between fantasy and factual narrative that resembles Chopal's storytelling apart from the cities, but Mansha Yad's narrative runs not only on the surface but also in depth. In that sense, they are separate and connected to the past. His stories are rooted in the towns of Punjab and are full of life in which there is centuries of simplicity and innocence and also the basic desires and contradictions of the man connected with the land. Mansha Yad is distinguished among his contemporaries in that he falls in love with urban characters and the process of peeking inside is part of his art.

Key Words: *Mansha Yad, Modern Urdu Fiction, Exposing External, Internal, Urban and Rural Realities, Social Values.*

اُردو افسانے کی تاریخ میں بہت سے افسانہ نگار منظر عام پر آئے۔ جنہوں نے اُردو افسانے کی عظمت میں اضافہ کیا۔ نئے و منفرد موضوعات اور تکنیکوں کو افسانہ نگاری میں استعمال کیا۔ ان افسانہ نگاروں میں کرشن چندر،

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

راجندر سنگھ بیدی، غلام عباس، احمد ندیم قاسمی، منٹو، پریم چند، ہاجرہ مسرور وغیرہ کے نام سر فہرست ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے کئی ایسے افسانے تخلیق کیے۔ جنہیں اُردو ادب کی تاریخ میں شاہکار کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اگر اس دور کو اُردو افسانے کا زریں عہد کہا جائے تو بے جانہ ہو گا۔ جب یہ افسانہ نگار کہانیوں کے ذریعے نت نئے تجربات میں گراں قدر اضافہ کر رہے تھے۔ تو ان انفرادی کاوش کے ساتھ ادب میں گراں قدر اضافہ کر رہے تھے۔ تو ان میں سے ایک اور اُبھرتا ہوا افسانہ نگار منشایاد کے نام کو بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ انہوں نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز شاعری اور افسانے لکھ کر کیا۔ اور جلد ہی ڈراما نگاری اور ناول لکھ کر اُردو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ کیا۔ ان کے افسانوی مجموعوں کی تعداد دس ہے۔ منشایاد نے موضوعات کو کھنگال کر نکالا۔ اور انہیں اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا۔ جو آنے والے لکھاریوں کے لیے مشعل راہ ہوں گے۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے موضوعات میں تنوع پیدا کیا۔ جو انہیں ممتاز کرتے ہیں۔ ان کے افسانے زندگی کی خارجی و باطنی، شہری اور دیہاتی حقیقتوں کو بے نقاب کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ منشایاد کا مشاہدہ بہت عمیق تھا۔ ان کی بصیرت اور بصارت سے معاشرے کا کوئی گوشہ پوشیدہ نہیں۔ وہ جن حالات و واقعات سے متاثر ہوتے، اسی شدت سے وہ اپنی کہانی میں نظر آتے ہیں۔ منشایاد فطرتاً افسانہ نگار تھے۔ ان کے اندر جستجو کا عنصر بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ حالات و مسائل سے گبھراتے اور فرار کا راستہ اپنانے کی بجائے ان پیچیدگیوں کو تمام رنگینوں سے لطف لیتے نظر آتے تھے۔ منشایاد کے موضوعات کا کینوس بہت وسیع تھا اس لئے اپنی معاشرتی زندگی کا ترجمان کہا جائے تو بے جانہ ہو گا انہوں نے اسلام آباد میں "حلقہ ارباب ذوق" کی بنیاد رکھی جس کو ادبی حلقوں میں بہت پزیرائی ملی۔ انہوں نے اپنی دیہی اور شہری زندگی کے فرق کو مختلف انداز میں پیش کیا۔

منشایاد کا نام منٹو اور غلام عباس کے بعد بہت بڑے افسانہ نگاروں میں شمار ہوتا ہے۔ ان کی انفرادیت نے ان کا ادبی مقام و مرتبہ واضع کیا ہے۔ ان کے افسانے ایک نئی سرزمین کی سیاحت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کا خوبصورت انداز بیان وسیع مطالعہ اردو افسانے میں نہایت خوشگوار اضافہ ہے۔ ان کے پاس موضوعات کا تنوع ہے۔ انہوں نے جس موضوع کو چھوا اس میں بسنت کی قوس قزاح بکھیرتے چلے گئے۔ منشایاد ایک سچا فطری کہانی کار، جو زندگی کی دور تک پھیلی وسعتوں اور تہہ در تہہ گہرائیوں میں دیکھتا ہے۔ ان کہی حقیقتوں کو کہانیاں بنا دینے کا ہنر جانتا ہے یہ زندگی جو انسان کے باطن میں عجیب و غریب چہرے کے ساتھ موجود ہوتی ہے اور اس کے مصروف میں بسا اوقات اس سے

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

بھی زیادہ عجیب تر زندگی کی تپتی دوپہر کی طرح نازل ہوتی ہے جو توہمات کے سہارے اور موہوم امیدوں کو دل میں بسائے زندگی گزار دیتے ہیں۔ اور کنویں کے مینڈک کی طرح عمر گزارتے ہوئے موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔ یوں سماج اور اس کے تمام پہلو انسان اور اس کی ذات و نفسیات کے سارے منظر ان کے افسانوں کا موضوع ہیں۔ بقول ڈاکٹر انوار احمد

"وہ زندگی کو گملے میں سجانے اور افسانے کو اندھے کنویں میں لٹکانے کے قائل نہیں"۔ (۱)

منشا یاد نے اپنے افسانوں میں معاشرے کے سماجی اور اخلاقی پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ معاشرے میں پھیلی افراتفری، بے چینی نفسا نفسی کے رویوں کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں زندگی کی غم انگیزی، یاسیت کو پوری شدت اور توانائی کے ساتھ پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں میں سچے اور کھرے تجربے کا ایک جہاں ملتا ہے۔ منشا یاد کے موضوعات کا نہ رکنے والا سلسلہ موجود تھا۔ وہ جس موضوع پر لکھنا شروع کرتے وہ اپنے اوپر طاری کر کے لکھتے بلکہ موضوع پر انتہاء کی گرفت ہونے کو وجہ سے کہانی میں کہیں بھی غیریت کا شائبہ نہ ہوتا۔ بلکہ آخر تک قاری کو اپنے سحر میں گرفتار رکھتے۔ جو ایک اچھے لکھاری کی پہلی شرط ہے۔

"دوپہر اور جگنو" ایک شکست خوردہ قوم کے فرد کی نفسیاتی کیفیت اور ذہنی و جذباتی صورت حال کی عکاسی کرتا ہے۔ سیاسی کرتا دھرتاؤں کی خود غرضی اور بے لیاقتی کے باعث دولخت ہوا ۹۰ ہزار فوجیوں کی موجودگی میں ہونے والی شکست نے حساس افراد کو بے ایمانی کے احساس اور مخدوش مستقبل کے جس خوف نے بے یقینی میں مبتلا کیا۔ افسانے کا مرکزی کردار اسی خوف اور بے یقینی کے شکنجے میں جکڑا نظر آتا ہے۔ اخبارات کی سرخیوں میں سڑکوں کے بے ہنگم ٹریفک میں چیختی موت، وفادار بیوی اور دوستوں کے چھوڑ جانے بے روزگار ہونے کا خوف اس کے دماغ میں درد کا نوکیلا پتھر بن کر مسلسل کچوکے لگاتا ہے۔ لیکن آنکھ کھلنے پر صورت حال کی سنگینی جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ اس افسانے میں عصری صورت حال کی عکاسی بڑی خوب صورتی سے ہوئی ہے۔

"آج کل جو ہوا چلتی ہے۔ "اس میں ایسے بہت سے باریک ذرات ہوتے ہیں۔ جو آہستہ آہستہ کھوپڑی میں جمے رہتے ہیں۔ اور پھر درد کا نوکیلا پتھر بن جاتے ہیں۔ تمہیں آئندہ احتیاطاً سانس نہیں لینی چاہیے۔ (۲)

"افسانہ کھلی آنکھیں" پڑھتے ہوئے پڑھنے والا منشاء یاد کو اس بنا پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ ایک واقعاتی سید بھی نہیں اپناتا اور تجریدی بھی نہیں ہوتا افسانہ کی ساخت کی بیانیہ کے اس ڈھب پر ڈھالنے کی یہ قدرت قابل داد ہے۔

"کوئی ہے "یوں جذباتی، معاشی، نا آسودگی اور توقعات کی شکست زندگی جیسی حسین نعمت سے نجات کی خواہش بن جاتا ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار کچی نشیبی آبادی میں رہنے والا اپنے گھر اور اسباب کو بارش اور سیلاب گھر کے بے قابو پانی سے محفوظ نہ رکھ سکنے والا تعلیم یافتہ شخص چہار سو جن عذابوں میں گرفتار ہوتا ہے۔ منشایاد نے ایک خوبصورت تکنیکی تجربے کے ساتھ اسے بیان کیا ہے۔ داخلی اور خارجی دینا میں جو تضادات ہیں۔ وہ ان سے نبرد آزما ہے۔ لیکن ایک تیسری سمت بھی جہاں سے توقعات کا مسلسل اور بلند آہنگ اظہار ہوتا ہے۔ وہ جس ذہنی ابتلا کا باعث بنتا ہے۔ منشایاد کے اس افسانے کے مرکزی کردار کی موت پر منتج ہوتا ہے۔ منشایاد کا یہ افسانہ ان افسانوں میں سے ہے۔ جسے اقبال آفاقی نے

"تھری ڈائی منیشل سوچ کا عکاس قرار دیا ہے"۔ (۳)

" سانپ اور خوشبو" کو پڑھتے ہوئے ہم ایک نئے ذائقہ سے آشنا ہوتے ہیں۔ یہ ایک علامتی افسانہ ہے۔ منشایاد اپنے افسانے "سانپ اور خوشبو" میں علامت کے ذریعے ایک نوجوان غلام علی کی نفسیاتی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ غلام علی جو اب ایک کڑیل جوان ہے۔ لیکن بچپن کی نا آسودگی، مصائب اور محرومیاں گامی کی شکل میں انگلی تھامے زندگی کی ہر راہ گزر پر اس کے ہمراہ ہیں۔ اس کا نادیدہ پن، بھوک اور افلاس کا پیدا کردہ لالچ بھی اس کے ہمراہ ہے۔ اگرچہ اس کے اندر ایک ۶ سال کا معصوم گامی بھی ہے۔ یعنی افسانہ نگار نے شخصیت کی تہہ در تہہ پرتوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ ماں سے انسیت اور پھر اس سے محرومی نے اسے بچہ ٹوٹر بنادیا۔ اسی طرح ماضی کے گزرے ہوئے لمحات کو کبھی واپس نہیں بلایا جاسکتا یہ بازگشت صرف ماضی کے ایک گھسے پھٹے خواب کی صورت میں نظر آتی ہے۔ افسانے کے اندر سانپ کنڈلی مار کر بیٹھا ہے۔ اور ہر جگہ سانپ نظر آتے ہیں۔ حتی کہ رات کو بھی اسے اپنی چھاتی پر بیٹھے ہوئے محسوس ہوتے اور نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد اکثر سوتے میں اس کے سینے پر بھی چڑھ جاتے ہیں۔

"اس کے بعد اکثر سوتے میں اس کے سینے پر چڑھ جاتا اس کی چھاتی پر کنڈلی مار کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنی دو شاخی زبان سے اس کا بھیجا چاٹنے لگ جاتا ہے۔"(۴)

"ریت اور پانی" منشا یاد کا ایسا افسانہ ہے جس میں انہوں نے خوف، دہشت، شناخت اور خواب کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ یہ افسانہ بحرانی صورت حال کی عکاسی کرتا ہے۔ مادہ پرست سماج میں انسانی رشتے اور رابطے جس بحران میں مبتلا ہیں زر پرستی نے خونی رشتوں میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔ معاشی ضروریات پوری کرنے کے چکر میں انسان کولہو کا بیل بنا رہتا ہے تو اس کی اہمیت باقی رہتی ہے۔ درحقیقت افسانہ "ریت اور پانی" انسان کی داخلی اور خارجی عدم مطابقت پر مبنی افسانہ ہے۔

"کہ وہ بلند کناروں والی نہر میں پانی کے آگے آگے اس طرف کو دوڑ رہا ہے جدھر پانی بہتا ہے۔ اس کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے ہیں مگر وہ گرتا پڑتا پھر سے اٹھ کر بھاگنے لگ جاتا ہے۔ اور شوکتا ہوا پانی اس کے پیچھے لپکتا چلا آتا ہے۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ پسینے میں تر تھا اور اس کے کپڑوں، نتھنوں اور اس کی داڑھی کے بالوں اور منہ میں ریت تھی اور دوڑ دوڑ کر اس کی ٹانگیں شل ہو گئی تھی۔"(۵)

"دو جمع دو" نچلے طبقے کے احساس محرومی اور معاشرے میں شرافت کے فقدان اور نفسا نفسی کی کیفیت کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا ہے کہ جب کسی ظالم کو کسی خطے کی حکمرانی کا موقع ملتا ہے تو حکومت کے ساتھ ساتھ وہ بھی انسانی آبادی اور وسائل پر قابض ہو جاتا ہے۔ اور اپنی نجی تجوریاں بھر لیتا ہے اور مخلوق خدا کو جہالت، بھوک اور افلاس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

"انہوں نے عورتوں، گھروں اور کھیتوں پر قبضہ کر لیا لیکن وہ ہل چلانا نہیں جانتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ہل چلانے والوں کو ملازم رکھا اور اپنے گھروں کو اناج سے بھر لیا۔ گودام اناج سے بھرتے رہے۔ کیڑے مکوڑے اور چوہے اناج کھا کھا کر اژدھے اور راکھشس بن گئے اور ہر طرف اژدھوں کی پھنکاریں سنائی دینے لگیں جو اناج کے ڈھیر پر کنڈلی مار کر بیٹھ گئے تھے"(۶)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

"دو جمع دو" طبقاتی سماج کی ناہمواریوں اور عدم مساوات کی تصویر کشی کرتا ہے اس افسانے کا راوی استحصال زدہ محروم طبقے کا نمائندہ ہے۔ متکلم پلیٹ فارم پر کھڑا "ریل گاڑی" کا انتظار کرتا ہے گرمی کا یہ عالم ہے کے جسم تپ رہا ہے۔ تیز گام رکتی ہے اور غریب مجبور اور بے بس لوگ اس کے فرسٹ اور سیکنڈ کلاس ڈبوں پر مسرت بھری نگاہ ڈال کر تھرڈ کلاس ڈبوں میں صبر شکر کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور ان کے اندر احساس کمتری اور بے بسی کی آگ بھڑک بھڑک کر اندر باہر کے ماحول کو یکساں کر دیتی ہے۔

> "مجھے اے سی، فرسٹ اور سیکنڈ کے ڈبوں میں سوار ہونے والوں پر خواہ مخواہ غصہ آنے لگتا ہے۔ جیسے انہوں نے اپنی جیب سے نہیں میری جیب کاٹ کر ٹکٹ خریدے ہوں۔"(۷)

"کالک" افسانے میں منشایاد نے ان لوگوں کو موضوع بحث بنایا ہے جن کے اندر منافقت، لالچ، خود غرضی، بے حسی اور خباشتوں کی کالک جمع ہو گئی ہے۔ اور اس کی وجہ ان کے اندر لطیف جذبات واحساسات کا قحط پڑ چکا ہے۔ جو معصومیت اور سادگی سے عاری ہیں۔ افسانہ "کالک" کا کردار ایک ایسا لڑکے کے لیے دھاڑیں مار مار کر روتا ہے۔ جب وہ کچلا جاتا ہے کہ وہ اس کی بدعا سے مر گیا ہے۔ یہ ایک اچھائی کی راہ ہے جو بہت کم نظر آتی ہے یہ اچھائی اندرونی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ انسان کی بنیادی ضرورتوں، مکان، خوراک اور کپڑے سے زیادہ ضروری ہے۔ ان اچھائیوں کی کمی ہی کی وجہ سے ہمارے معاشرے کے اندر معصومیت اور سادگی گم ہو چکی ہے اور روحیں مقفل اور اس صورت حال کے پس پشت وہی ہمارے ادنیٰ تعصبات۔

> "اس کی ماں بوڑھی اور ضعیف تھی۔ اکیلی دوسرے شہر میں رہتی تھی۔ وہ اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔ کیونکہ اس کی بیوی اور اس کی ماں میں ساس بہو کا رشتہ تھا۔ ساس اور بہو کا بیر ہماری قدیم روایت ہے۔"(۸)

ان معاشرتی ناہمواریوں کو جو ہر روز محرومیوں اور ناآسودگیوں کی نئی کہانی تخلیق کرتی ہیں۔ اور یہ نا محرومیاں اور ناآسودگیاں اچھے بھلے تعلیم یافتہ مگر دھتکارے ہوئے بے روزگار شخص کو زندگی سے موت کی طرف دھکیل دیتی ہیں اور طبقاتی سماج کا بہت بڑا سچ ہے کہ

> "خالی پیٹ اور خالی جیب ہو تو خودکشی کیا نسل کشی کرنے کو بھی جی چاہتا ہے۔"(۹)

لیکن ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے شخص کے لیے یہ بھی تو ممکن نہیں کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے کئی سماجی عفریت منہ پھاڑے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اور زندگی اور موت کے درمیان لڑھکتا شخص ذہنی اور نفسیاتی امراض کا شکار ہو کر معاشرے میں مزید بے توقیر ہو جاتا ہے۔

"خواہشوں کا اندھا کنواں" اس افسانے میں منشایاد نے زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم طبقے کی تجسیم بھوک سے نڈھال بے اعتنائی کا شکار ایک کتے میں کی ہے۔ اس افسانے میں منشایاد نے معاشرے میں شرافت کے فقدان اور نفسا نفسی کی کیفیت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں انسانی تحقیر کو بڑے ہی حقیقی انداز میں بیان کیا کہ جو زندگی کی آسائشوں سے فیض یاب ہونے والے مراعات یافتہ طبقے کی چمک و دمک سے معمور دنیا میں پیٹ کے دوزخ کو ساتھ لیے چند نوالوں کی آس میں بھٹکتا ہے لیکن ہر جگہ سے دھتکارا جاتا ہے۔

> "میں گندی اور میلی جگوں پر رہتا ہوں، جھوٹی اور باسی چیزیں کھاتا اور فاقے سہتا ہوں۔ اس لیے جسم بدنما ہو گیا ہے اس لیے مجھے خارش کی تکلیف بھی رہتی ہے۔ میرے کان کاٹ کر چھوٹے کر دیئے جائیں، مجھے اچھی غذا ملے اور تمہاری طرح مجھے بھی ہر روز صابن سے نہلایا جائے تو میری جلد بھی ملائم اور چمکدار ہو سکتی ہے۔"(۱۰)

"خواہشوں کا اندھا کنواں" افسانے میں منشایاد نے طبقاتی تقسیم اور بے بسی کو موضوع بنایا گیا ہے اور حسرت و ناامیدی کی فضاء دکھائی گئی ہے۔ اس افسانے کا اختتام بالآخر موت کا بھیانک منظر پیش کرتا ہے۔

"دل کا بوجھ" میں منشاء یاد نے گل باز خان کے خلوص، محبت، نیکی اور ایمان داری کو بہت خوبصورتی سے موضوع بنا کر یہ واضح کیا ہے کہ انسان اپنی خواہشات کے جال میں گھرا ہوا ہے۔ وہ نیکی خلوص اور محبت کو صرف محسوس کر سکتا ہے لیکن اس کی داد تحسین نہیں دے سکتا۔ وہ دل پر بوجھ تو محسوس کرتا ہے مگر اس بوجھ کو پہلی فرصت اتار پھینکنا گوارہ نہیں کرتا۔ اس افسانے میں کردار نگاری اپنے مکمل فنی کمال کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ گل باز خان کا کردار بہت جاندار ہے جو ایک چوکیدار ہے اور اپنا کام بہت جاں فشانی اور ایمان داری سے سرانجام دیتا ہے۔ اس افسانے کا اصل موضوع سفید طبقے کی معاشی صورت حال، ذہنی کشمکش اور ضمیر کی چبھن اور خود غرضی کو بیان کیا گیا ہے۔ لیکن آخر میں چوکیدار گل باز خان اپنی دریا دلی کی بنا پر اپنے مالک سے سبقت لے جاتا ہے۔ اس افسانے میں سب سے خوب صورت بات نظر آتی ہے۔ وہ انسان جس کے بارے میں منشایاد نے لکھا ہے کہ ایک کم

علم جدید تہذیب سے ناآشنا اور سخت کھردرے لب ولہجہ والا انسان اپنے دل میں موجود محبت کا اظہار بچی کو تحفہ دے کر کرتا ہے۔

"شام کے وقت میرے پاس اس کا ایک ساتھی آیا وہ کچھ عرصہ اس کے ساتھ میرے ہاں کام کر چکا تھا۔ اس نے ایک بڑا لفافہ میری طرف بڑھایا اور بولا بابو صیب گل باز خاں کا بیوی بیمار ہو گیا۔ وہ جلتی جلتی وطن گیا، وہ بولتا ہم کو چھوٹا بچی بہت اچھا لگتا ہم اس کے واسطے توفہ بناتی۔ صیب اور بیگم کو سلام بولتی میں نے لفافہ کھول کر دیکھا اور اس میں ایک خوب صورت ریشمی فراک تھا۔"(۱۱)

"چھتیں اور ستون" میں منشایاد نے استحصالی طبقے کی ناانصافیوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس افسانے میں منشایاد کی حب الوطنی اور درمندی اندیشے اور خدشے سب نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔ ارباب اختیار و اقتدار کی عیاشیاں اور غفلت کاریاں کارپردازوں کی بد دیانتی اور بڑے بڑے ذمہ دار عہدوں پر فائز افسران کے غیر ذمہ دارانہ رویے کو بے نقاب کیا ہے۔

انتہائی قومی اہمیت کی عمارت کی تعمیر دراصل ملک و قوم کی تعمیر ہے۔ جس سے پچھلے ساٹھ برسوں سے اغماض برتا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے آج ہم پیچیدہ ترین سیاسی، معاشی اور مذہبی صورت حال کے "گرداب" میں پھنسے ہیں۔ منشایاد کا یہ افسانہ اگرچہ ۷۰ کی دہائی میں لکھا گیا۔ لیکن صورت حال آج بھی وہی ہے۔ یوں زمانی حدوں سے پھیل جانے سے اس افسانے میں ایک آفاقی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ کیوں کہ خدشے آج بھی تو دلوں کو خوف زدہ کرتے ہیں۔ اسلم سراج الدین اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

"اب قومی اہمیت کی عمارت کی چھت ہمیشہ ٹپکتی رہے گی۔ اگر آفسر اعلی سربراہ مملکت اپنے فرض منصبی کو پس پشت ڈال کر شوخ حسیناؤں کے ساتھ مصروف کار رہے گا۔ تو قومی اہمیت کی عمارت کی چھت ٹپکے تو خیر ضرور ہی، ٹپکتے ٹپکتے دولخت بھی ہو سکتی ہے۔ بیٹھ بھی سکتی ہے اڑ بھی سکتی۔"(۱۲)

بند مٹھی میں جگنو اس افسانے میں منشایاد ہمیں اس کرب اور عذاب کی کہانی سناتے ہیں۔ جب آزادی کے فوری بعد جاگیرداروں نے مسلم لیگ اور ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہر طرف بدامنی اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

قانون تھا اس عرصہ میں سب کچھ فنا ہو گیا۔ انسانیت علم و ادب اور انسانی رشتے بھی گن پوائنٹ پر امراء کے ہتھکنڈوں سے ختم کر دیئے گئے۔"بقول عاطف علیم"

"ان گزرے سالوں میں ہم سے کیا چھن گیا ہے کاش ہمیں کبھی حساب کتاب کی فرصت مل سکے۔"(۱۳)

اس افسانے کے پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ انسان چاہے گاوں کا ہو یا شہر کا اس جبر تلے رہتے رہتے غیر انسانی رویوں کا حامل ہو جاتا ہے۔ اور یہ سوال بھی مضطرب کرتا ہے کیا ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کو روشنی اور ہوا سے روشناس کروانا۔ یا پھر یہ طے کہ "بقول عاطف علیم"

"ہمیں اور ہماری آنے والی نسلوں کو بند مٹھی کے اندھیروں میں روشنی سے محروم جگنو بن کر جینا پڑے گا۔"(۱۴)

منشا یاد نے اپنے افسانے "بند مٹھی میں جگنو" میں نئے نئے تجربے اور اُردو افسانے کو ایک نئی ڈگر پر چلایا ہے۔ اس افسانے میں جگنو کی روشنی اور شعور کی معرفت کے حوالے سے ایک بے کراں سمندر کے عناصر بھی موجود ہیں۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا

"بند مٹھی میں جگنو افسانے کی نئی سرزمین کی سیاست قرار دیا ہے"۔(۱۵)

"راستے بند ہیں" اس افسانے میں منشا یاد نے طبقاتی سماج کی معاشی ناہمواری کو بیان کیا ہے۔ لیکن معاشی عدم استحکام، عدل و انصاف کی کم یابی نے آسائشات کو چند لوگوں کے حصے میں دے دیا ہے۔ جن کے حصے میں اسائشات نہیں ہیں۔ وہ انسان دن میں کئی بار مرتا اور جیتا ہے۔ اپنے اوپر جبر کرتا ہے۔ جھوٹے معیارات بناتا ہے۔ فطری خواہشات کو دباتا ہے۔ اس کیفیت کو افسانہ نگار نے مجسم اور متشکل کر کے بیان کیا ہے۔ جس کے لئے افسانہ نگار نے علامت کا سہارا لیا ہے۔ راستے بند ہیں کا مرکزی کردار جس کا کوئی نام نہیں وہ اتنا بھوکا ہے جتنا کہ خواہشات کے اندھے کنوئیں کا بھکاری ہے۔ لیکن وہ میلے میں نہیں آیا۔ بلکہ جس کے چاروں طرف میلا لگ گیا اور وہ اس میں گھر گیا۔ میلے میں چاروں طرف طرح طرح کے کھانے اور پھل ہیں لیکن اس میں پھل خریدنے کی استطاعت نہیں۔ اس لئے وہ سیب کے ذائقے کو ناشپاتی کے ذائقے کی طرح خیالی طور پر محسوس کرتا ہے۔ ذائقوں کے گڈ مڈ ہونے کی یہ

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

علامت واضح طور پر ہمارے غربت زدہ معاشرے کی کہانی ہے۔ احساس محرومی کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں ایسے فکر انگیز اور زور دار جملے

"جب یہ چیزیں موجود ہیں تو میں ان کے ذائقوں سے محروم کیوں"۔(۱۶)

"کچی پکی قبریں" معاشرتی عدم مساوات کاں وجہ ہے۔ حقیقی زندگی میں اونچ نیچ کا تصور اور فرق قائم ہو گیا ہے۔ اس کے اثرات قبرستان میں بھی قبروں کے کچا پکا ہونے کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ منشا یاد نے افسانے میں پاکستانی معاشرے میں طبقاتی تقسیم کی انتہا دکھائی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں جبر اور محکومی کی جو فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے فرار کی صورت ایک ہے۔ جو اس افسانے کا کردار کوڈو فقیر قبرستان کا رکھوالا ہے باخوبی جانتا ہے۔

"قبرستان میں اسے بہت آرام ہے"۔ روحیں اس پر رعب نہیں جماتیں باز پرس نہیں کرتی اور مردے اس سے بیگار نہیں لیتے۔"(۱۷)

لیکن اس آرام وسکون کے باوجود کچی پکی قبریں اسے محرومی کے کرب سے مسلسل دوچار کرتی ہیں۔ اس کے ساتھی دو پالتو کتے ہیں۔ کوڈو کا گاوں والے خیرات اس لئے دیتے ہیں کہ وہ ان کے آباء واجداد کی قبروں کی حفاظت کرتا ہے لیکن قبرستان میں بھی طبقاتی نظام نے جڑ پکڑ لی ہے۔ امراء کی قبروں پر سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ اور درختوں کا سایہ ہوتا ہے۔ ان کی قبروں پر دیئے جلانے کے لیے جگہیں بنائی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے برعکس غریب لوگوں کی قبریں کچی مٹی کی ہوتی ہیں۔ کوڈو نے بارہا اپنے آباء واجداد کی قبروں کو بھی پکا کرنے کا اظہار کیا۔ مگر گاوں والوں کی طرف سے خیرات بند ہونے کے ڈر سے وہ اپنا یہ فیصلہ رد کر دیتا ہے۔ آخر ایک دن علم بغاوت بلند کرتا ہے اور اپنے ماں باپ کی ہڈیاں صاحب ثروت لوگوں کی قبروں میں منتقل کر دیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتا ہے۔

"کوڈو فقیر فکر نہ کر بدبختا کون کھود کر دیکھتا ہے۔ اور دیکھ بھی لے تو کون پہچان سکتا ہے کیوں کہ امیر غریب کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔"(۱۸)

"پانی میں گھرا ہوا پانی" میں منشا یاد نے ایک بانجھ آدمی کا قصہ بیان کیا ہے۔ پانی میں گھرا ہوا پانی ایک بلیغ علامت ہے۔ جس میں مرد کی جنسی کمزوری کے باوجود اس کی حسین و جمیل بیوی وفادار زیناں اس لئے وفادار نہیں بلکہ اس کی سرشت میں محبت اور وفاداری ہے۔ زیناں کے بارے میں اسلم سراج یوں رقم طراز ہیں۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

"زیناں ہمہ گیر فطرت ہے" ہمیشہ ہم درد، ہمیشہ مہربان ہمیشہ ملتفت آدم نوع کی تخلیق کے امکانات سے معمور بلند ناغہ خمار گندم اور چھاچھ کے ساتھ موجود نئے عناصر وجود میں لانے کے لئے کیمیائی عمل کی آتش کے ساتھ حاضر کسی عامل کی منتظر زرخیز ہونے کے باوجود بادر نہ ہو سکی۔ عورت کی تلخی اور چڑاچڑا پن اس میں نام کو نہیں۔ البتہ اپنی خود شناسی زرخیزی کا وہ فراواں احساس رکھتی ہے۔ اسے یہ تو خوب معلوم ہے کہ وہ آگ میں گھری ہوتی آگ ہے۔ وہ چاہے تو اس آگ سے دیئے کو بھسم کر دے اس کا گھر بار جلا کر رکھ دے۔"(۱۹)

"باگھ بگھیلی رات" منشایاد کا ایسا افسانہ ہے جو جاگیر داری معاشرے کے جبر کی کہانی ہے۔ منشایاد نے ذات پات کا فرسودہ نظام اپنی ساری قباحتوں کے ساتھ بے نقاب کیا ہے۔ زمیندار حکومت کے کارندے محنت کش غریب لوگوں سے غیر انسانی سلوک روا رکھتے ہیں۔ اس کہانی میں یہ تلخ حقیقیت بھی ہے۔ گواہی دینے والا سچ بولنا بے حد دشوار ہے۔ مولوی صاحب کو سچ بولنے کی سزا اس کی بیٹی کے اغواء کی صورت میں دی گئی۔ وہ بیٹی جو آزاد فضاؤں میں سانس لینے کی آرزومند تھی لیکن جس کو اپنی نفرتوں اور غلیظ اناوں کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

"اس کی جون بدل گئی تھی" اور کھیتوں کھلیانوں میں ہرنی کی طرح قلانچیں بھرنے پیڑوں پر پینگیں جھوٹنے اور تتلی کی طرح ہوا کے دوش پر اُڑتی پھرنے والی چنچل لڑکی راتوں رات ایک مریل سی بھیڑ میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اور خونخوار بھیڑیوں کے خوف سے ایک بڑی حویلی کے چھوٹے سے تاریک کونے میں دُبکی ہوتی تھی۔"(۲۰)

"گیارھواں میل" منشایاد کا یہ افسانہ مدر فکشن کی عمدہ مثال ہے۔ یہ افسانہ ایک گم شدہ محبت اور رشتے کی باز یافت کی کوشش ہے۔ مرکزی کردار کو اپنے گاوں میں جاتے ہوئے اس راستے کے گیارھویں میل اور بارھویں میل کے درمیان کچھ نہ کچھ ناخوشگوار حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ اپنے ننھیال جاتا ہے تو کہتا ہے

"کہ میں اس سڑک پر جب بھی سفر کرتا گیارھویں اور بارھویں میل کے پتھر کے درمیان کوئی نہ کوئی چھوٹا یا بڑا، معمولی یا غیر معمولی واقع ضرور پیش آتا کہ کردار تین برس کی عمر میں ماں کی مامتا اور ٹھنڈے میٹھے لمس سے محروم ہو گیا تھا۔ ماں کی کمی کا

احساس اور محرومی اس کی زندگی کے ساتھ ایک آسیب کی طرح چمٹی ہوتی ہے۔ پھر یہ احساس گیارھویں جاتی ہے۔ اور کمپیوٹر نماذ ہن خالی ہو جاتا ہے۔ صرف ایک زیرو۔"(۲۱)

"ببول سے لپٹی ہوئی بیل" منشا یاد کا ایک رومانوی افسانہ ہے۔ اس میں انجانی اور یک طرفہ محبت کی کہانی ہے۔ ماضی کی یادیں انسان کے ذہن و دل سے بیل کی طرح لپٹی رہتی ہیں۔

انسانی جذبے، ان کی شدت، واہمے، اندیشے آج بھی ویسے ہی ہیں بلکہ آج زیادہ شدت اختیار کر گئے ہیں۔ تیز رفتار زندگی کے تقاضے، مطالبے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ببول کی ٹہنی پر سجی وعدے کی دھجی فنا ہو جاتی ہے۔ اور وقت اس مقام پر لا کھڑا کرتا ہے۔ جہاں پچھتاوا ہے۔ احساس جرم ہے اور کسی کے آنسو

منشا یاد کا افسانہ "بیتال کتھا" ایک خوبصورت افسانہ ہے۔ عصر حاضر کی بد صورتی، بے حسی اور بد قسمتی کو پرانے داستانوی اور حکایاتی پیرائے کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا۔ مرکزی کردار راج بہت بہادر، دھن کا پکا حاکم ہے۔ وہ اپنی ماں کے کہنے پر محل کو بد روح، ڈائن، چڑیلیں اور پچھل پیریاں نما انسانوں سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ اپنی رانی ماں کو واپس محل میں لا سکے۔ بیتال کتھا نے راج کے ساتھ ایک شرط لگائی کہ جب تک وہ تیلی کے بیٹے کو ڈھونڈ نہ لے گا۔ تب تک یہ تمام ڈائینں، چڑیلیں، پچھل پیریاں کو نہیں چھوڑنے لگیں۔ تیلی کا بیٹا جس کے اندر خصوصیات در آئی ہیں۔ رانی ماں انسان نما کتے کی عادتوں کے بارے چند نشانیاں راج کو بتاتی ہے۔ اتنے بڑے علاقے میں ایسے شخص کو تلاش کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن رانی ماں نے راجہ کی مشکل آسان کر دی اور نشاندہی کچھ یوں کہ وہ بات چیت پر گلے پڑے گا۔ غیروں کا وفادار ہو گا۔ اپنوں کا ویری ہو گا۔ پیٹ اور نیت کا کچا ہو گا۔ اس کی گھٹیا فطرت یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو موقع ملتے ہی نقصان پہنچائے گا۔ راجا یہ سن کر پریشان ہو گیا۔

"زوال سے پہلے" منشا یاد کی کہانی ہے۔ جو ہمارے معاشرے میں موجود ناہمواریوں، بد عنوانیوں اور خود غرضیوں، مفاد پرستوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ زوال سے پہلے میں منشا یاد نے ایسے بے حس، لالچی اور خود غرض لوگوں کو کٹہرے میں لا کھڑا کر کے دکھایا ہے۔ جنہوں نے خیر اور شر کی جنگ میں ایک تماشائی کا کردار ادا کیا۔ انہوں نے سچائی کو جھٹلایا اور اپنے نفس کی تسکین کی خاطر عیاشیوں میں کھوئے ہیں۔ لوگ ان کے سامنے بے بسی کی

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

موت مر گئے مگر ان بے حسوں کے دل نہ پسیجے۔ اپنے اپنے محلات اور بنگلوں کی حفاظت میں رہ گئے اور لوگوں کی زندگیوں سے اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں منحرف رہے۔

"سب لوگ ایک جیسے نہیں تھے ان میں بعض محنتی، مخلص، نڈراور راست باز بھی تھے۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد آٹے مین نمک کے برابر تھی۔ افسوس ایسے لوگ اپنوں ہی کے ہاتھوں مارے گئے بد قسمتی سے خود غرض، ریاکار اور نا اہل لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ اجتماعی معاملات اور مسائل کی بجائے ہر کسی کو اپنے ذاتی مفادات اور اپنے اعزہ واقرباء کا زیادہ خیال رہتا تھا۔"(۲۲)

"پنج کلیان" ایک بھینس ہی نہیں جو انسانوں سے خوفزدہ ہونے کے باعث مارنے والی بھینس مشہور ہے۔ بلکہ بیگی اور بیگی کی ماں حتی کہ سارا گاؤں ہی پنج کلیان ہے۔ کہ عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا ہونے کے باعث ہر اجنبی شے یا شخص کو قبول کرنے سے ہچکچاتا ہے۔ گویا افسانہ حقیقیت بیان کر رہا ہے کہ انسانوں یا جانوروں سے جان یا عزت و آبرو کا خطرہ محسوس ہو تو خود کو بچانے کے لئے دوسروں کی جان بھی لے سکتا ہے اور دوسروں کو شدید نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس افسانے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ تہذیب جو عدم تحفظ کا شکار ہوتی ہے۔ ہمیشہ دوسری زیادہ طاقت و تہذیب سے ڈرتی اور اس پر غراتی ہے۔ جھپٹتی ہے اور اپنا تحفظ کرتی ہے۔ بلکہ قدیم جنگلی قبائل کا اجنبیوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ گاوں کی لڑکیاں اس کی محبت میں اسے ملنے نہیں بلکہ ایک عجوبہ کو دیکھنے آتیں۔ اس میں شہری تہذیب بے بس ہو کر رہ جاتی ہے۔ البتہ بیگی اور اس کی ماں نے گاوں کے پنچ کلیان روپ کا کھلا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ افسانہ پنچ کلیاں کی فتح پر ختم نہیں ہوتا بلکہ آخر میں سطح کے نیچے کی بنیادی اجتماعی ساخت کو بھی بے نقاب کر دیتا ہے۔ اور آخر میں اپنے دوست کو جواب دیتا بہت اچھا ہو گیا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ ہاں بس اللہ نے کرم کیا ہے۔ اچھا یہ بتاو واپس آکر تم صبیحہ کے گھر گئے نہیں یا ڈر لگتا ہے۔

منشا یاد کا افسانہ ”چیزیں اپنے تعلق سے پہچانی جاتی ہیں“ ایک بہت خوب صورت افسانہ ہے جس میں مادیت پرست اور طبقاتی سماج کے اس روپے کی نشان دہی کی گئی ہے کہ زندہ، جذبہ واحساس رکھنے والے بے مایہ اور غریب لوگ بعض اوقات جانوروں سے بھی کم اہم ہوتے ہیں۔ چاہے وہ جتنے مخلص بے ریا اور ہمدرد ہوں لیکن ان کی شناخت کا وقت کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ لیکن جب اپنی کوئی کھوئی ہوئی عزیز شے ان کے توسط سے واپس مل جائے تو

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)
ماخذ تحقیقی مجلہ

سارے فرق بھلا کر ان کو توقیر دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی کوئی نہیں سوچتا کہ اس بدلے ہوئے رویے نے غریب کو خوش کرنے کی بجائے گہرے ملال کے سپرد کر دیا ہے۔فیکے مصلی کی بیٹی نمبر دار کی بیٹی کی عزیز گھوڑی رانی واپس کرنے کے بعد اسی مسرت اور پھر گہرے دُکھ سے ہمکنار ہوتی ہے۔

"تو وہ آج وہی تھی۔ چیزیں اپنے تعلق سے پہچانی جاتی ہیں۔ اُس نے دُکھ سے سوچا۔ کوئی ان کی شناخت نہیں کرتا"۔ (۲۳)

منشا یاد کے ہاں موضوعاتی سطح پر تنوع پایا جاتا ہے وہ اپنے عہد میں بے حد نایاب تھے منشا یاد کہانیوں میں گھرے ہوئے انسان تھے کہ آدمی جتنا حساس ہو گا وہ محسوس کرے گا اتنی زیادہ ہی کہانیاں بنتی چلی جاتی ہیں انہوں نے معاشرتی اونچ نیچ سماج کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کے عجیب و غریب اجتماعی رویوں کو اپنی کہانیوں کے ذریعے عوام کو روشناس کروایا انہوں نے معاشرے کی ناانصافیوں اور سیاسی جبر کے حوالے سے بہت کامیاب افسانے لکھے۔ منشا یاد حق و انصاف کے حامی تھے اس لیے دینا میں ظلم و ستم قتل و غارت کے بڑھتے ہوئے ناسور کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ منشا یاد کے افسانوں کے بارے میں نجم الحسن رضوی کا کہنا ہے۔

"منشا یاد کے افسانوں کی ایک بہت اچھی بات یہ ہے کہ وہ جدیدیت کا اعلان کئے بغیر جدید ہیں۔ اور ان کا اسلوب آسان ہونے کے ساتھ سا ئشتہ شگفتہ اور پر اثر بھی ہے۔" (۲۴)

اپنے افسانوں میں منشا یاد نے انسانی فطرت کو کمال فن کارانہ انداز میں بے نقاب کیا منشا یاد کو کہانیاں سوجھتی تھیں۔ ان پر قدرت بہت مہربان تھی۔ ان پر کہانیوں کے تارے ٹوٹتے ہی رہتے تھے۔ جن سے انہوں نے افسانوی ادب کو منور کیا۔

حوالہ جات

۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد، مثال پبلیشرز، اشاعت دوم، ۲۰۱۰ء، ص:۲۴۹
۲۔ منشایاد، "بند مٹھی میں جگنو"، دوپہر اور جگنو"، نیشنل بک فائونڈیشن، اسلام آباد اشاعت اول،۲۰۱۱، ص:۴۰
۳۔ اقبال آفاقی، ڈاکٹر، منشایاد کے منتخب افسانے، فیصل آباد، مثال پبلیشرز، اشاعت دوم،۲۰۰۹ء، ص:۱۴۰
۴۔ محمد منشایاد، "بند مٹھی میں جگنو"، سانپ اور خوشبو"، نیشنل بک فائونڈیشن اسلام آباد، اشاعت اول،۲۰۱۱ء، ص:۶۴
۵۔ ایضاً، "ریت اور پانی"، ص:۷۳
۶۔ ایضاً، ص ۷۳
۷۔ ایضاً، ص:۷۴
۸۔ ایضاً" دو جمع دو"، ص: ۸۲
۹۔ ایضاً" دیمک"، ص:۸۸
۱۰۔ ایضاً"کالک"، ص:۹۷
۱۱۔ ایضاً، "سوچ کے زخم"، ص:۹۹
۱۲۔ ایضاً، ص:۹۹
۱۳۔ ایضاً، "خواہشوں کا اندھا کنواں"، ص:۱۰۸
۱۴۔ "بند مٹھی میں جگنو" اسلم سراج الدین، "مضمون عاطف علیم"، محمد منشایاد شخصیت اور فن"، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، اشاعت اول ۲۰۱۰ء ص ۲۵۳
۱۵۔ ایضاً، ص ۳۵۲
۱۶۔ ڈاکٹر وزیر آغا، فلیپ، بند مٹھی میں جگنو، نیشنل بک فائونڈیشن اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۱۰ء، ص
۱۷۔ محمد منشایاد، ماس اور مٹی، "راستے بند ہیں"، فیصل آباد، مثال پبلیشرز، اشاعت دوم ۲۰۱۰، ص:۱۸
۱۸۔ ایضاً، "کچی پکی قبریں"، ص:۲۴
۱۹۔ ایضاً، ص:۲۶

۲۰۔ اسلم سراج الدین، محمد منشایاد شخصیت اور فن، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، اشاعت اول، ص ۲۲۳

۲۱۔ محمد منشایاد "وقت سمندر"، "گیارھواں میل"، نیشنل بک فاونڈیشن اسلام آباد، اشاعت، ۲۰۰۹ء، ص:۱۱۱

۲۲۔ ایضاً "زوال سے پہلے" ص:۱۹۶

۲۳۔ ایضاً: "چیزیں اپنے تعلق سے پہنچانی جاتی ہیں" ص:۳۸۶

۲۴۔ نجم الحسن رضوی، "مضمون"، درخت آدمی" نیشنل بک فائونڈیشن اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۱۰ء ص:۲۳۰